سُورَۃُ الْمَاعُوْن

اس سورۃ مبارکہ میں ان لوگوں کا نقشہ پیش کیا گیا ہے جن کی زندگیوں میں اگرچہ بظاہر کچھ مذہبی رسومات پائی جاتی تھیں مگران کا اصل کردار اللہ تعالیٰ کے خوف سے دوری اور فکر آخرت سے بے نیازی تھی، مثلاً قریش مکہ کعبہ کے متولی تھے اور سیدنا ابراہیمؑ اور سیدنا اسماعیلؑ سے نسبت کا دعویٰ تھا مگر اپنے فکر وعمل میں اس دین حنیف سے کہیں دور جا پڑے تھے جس کی اشاعت یہ جلیل القدر پیغمبر زندگی بھر کرتے رہے، توحید واخلاص کی جگہ شرک اور ریاکاری نے لے لی تھی، اُن کی نماز کا ذکر قرآن اس طرح کرتا ہے: وَمَا كَانَ صَلٰوتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَ تَصْدِيَةً (الانفال:۳۵) بیت اللہ کے نزدیک ان کی نماز کیا ہوتی ہے، بس سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پیٹتے ہیں۔

مذہبی رسوم اور عبادات کے ساتھ یہ معاملہ وہی شخص کرسکتا ہے جس کے ذہن سے آخرت کا تصور نکل گیا ہو اور جسے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا کوئی ڈر نہ رہا ہو، اور جب مادی زندگی ہی اس کا مقصودِ حیات بن جائے تو اس کے دل میں غرباء ومساکین کے ساتھ ہمدردی، بیوگان اور یتامیٰ کے ساتھ حسنِ سلوک ایسے وزنی اعمال کوئی حقیقت نہیں رکھتے، وہ بندگی رب سے دور اور خدمت خلق سے محروم ہو جاتا ہے، وہ خواہشات نفس کا پجاری اور شیاطین کا ہمنوا بن جاتا ہے، دھن دولت اور خواہشات نفس سے پیار اسے تنگ دلی اور کنجوسی کی راہ پر ڈال دیتے ہیں اور یہ مرض ایسا شدید ہو جاتا ہے کہ پاس پڑوس میں کوئی معمولی معمولی چیزیں مثلاً نمک مرچ، دیاسلائی اور سوئی دھاگہ عاریتاً مانگ بیٹھے تو صاف انکار کر دیتا ہے، اسی قسم کے لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور اور اس کے عذاب کا شکار ہوتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

سُوْرَةُ الْمَاعُوْن

آیات:۷ رکوع:۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ(۱) فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ(۲) وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ(۳) فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ(۴) الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ(۵) الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ(۶) وَ يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ(۷)﴾

(اے نبیؐ!) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو جزا وسزا کے دن کو جھٹلاتا ہے۔ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا، تو خرابی ہے ایسے نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں سے غفلت برتتے ہیں، جو ریا کاری کرتے ہیں اور معمولی ضرورت کی چیزیں (لوگوں کو) دینے سے گریز کرتے ہیں۔

﴿اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ﴾

(اے نبیؐ!) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو جزا وسزا کے دن کو جھٹلاتا ہے۔

اَرَءَيْتَ کیا آپ نے دیکھا، أ کیا، استفہام، رَئَیْتَ آپ نے دیکھا، ماضی واحد مذکر حاضر (رَاٰى، يَرٰى، رُؤْيَةً) دیکھنا، الَّذِىْ جو، اسم موصول، يُكَذِّبُ جھٹلاتا ہے، فعل مضارع واحد مذکر غائب (كَذَّبَ، يُكَذِّبُ، تَكْذِيْبًا) جھٹلانا، کذب بیانی [جھوٹ بولنا] اردو میں استعمال ہوتا ہے، بِالدِّيْنِ (بِ.الدِّيْنِ) روز جزا وسزا، کو۔

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

'اَرَءَیۡتَ' ''تم نے دیکھا کا خطاب بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر قرآن کا اندازِ بیان یہ ہے کہ ایسے مواقع پر وہ عموماً ہر صاحبِ عقل اور سوچنے سمجھنے والے شخص کو مخاطب کرتا ہے اور دیکھنے کا مطلب آنکھوں سے دیکھنا بھی ہے کیونکہ آگے لوگوں کا جو حال بیان کیا گیا ہے وہ ہر دیکھنے والا اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے، اور اس کا مطلب جاننا، سمجھنا اور غور کرنا بھی ہے، عربی کی طرح اردو میں بھی دیکھنے کا لفظ اس دوسرے معنی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً ہم کہتے ہیں کہ ''میں دیکھ رہا ہوں'' اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں جانتا ہوں، یا مجھے خبر ہے یا مثلاً ہم کہتے ہیں کہ ''ذرا یہ بھی تو دیکھو'' اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ ذرا اس بات پر بھی غور کرو، پس اگر لفظ ''اَرَاَیۡتَ'' کو اس دوسرے معنی میں لیا جائے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ''جانتے ہو وہ کیسا شخص ہے جو سزا و جزا کو جھٹلاتا ہے؟'' یا ''تم نے غور کیا اس شخص کے حال پر جو جزائے اعمال کی تکذیب کرتا ہے؟'' (تفہیم القرآن، ج:٦)

''الدّین'' کا لفظ قرآن کی اصطلاح میں آخرت کی جزائے اعمال کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور دین اسلام کے لیے بھی، لیکن جو مضمون آگے بیان ہوا ہے اس کے ساتھ پہلا معنی زیادہ مناسبت رکھتا ہے، اگرچہ دوسرا معنی بھی سلسلۂ کلام سے غیر مطابق نہیں ہے۔ گویا کوئی شخص دین اسلام کو نہ مانے یا اسے آخرت میں اللہ تعالیٰ کے حضور جوابدہی کا یقین نہ ہو تو وہی بے خوفی کی زندگی گزارتا ہے اور خواہشات نفس کی پیروی کرتا ہے۔ (حوالہ ایضاً)

﴿فَذٰلِكَ الَّذِیۡ یَدُعُّ الۡیَتِیۡمَ﴾ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔

فَذٰلِكَ (فَ. ذٰلِكَ) پس۔ یہ وہی (شخص) ہے۔ ذٰلِكَ، اسم اشارہ بعید واحد مذکر، جب قریب کے لیے استعمال ہو تو بیان میں زور پیدا کرتا ہے، اَلَّذِیۡ جو، اسم موصول، یَدُعُّ وہ دھکے دیتا ہے فعل مضارع واحد مذکر غائب (دَعَّ. یَدُعُّ. دَعًّا) بے رحمی کے ساتھ کسی کو دھکے دینا (القاموس الوحید) اَلۡیَتِیۡمَ، نابالغ بچہ جس کا والد فوت ہو جائے۔ (حوالہ ایضاً) اس کی جمع یتامیٰ آتی ہے۔

﴿وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الۡمِسۡکِیۡنِ﴾ اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔

وَلَا یَحُضُّ اور نہیں ترغیب دیتا، وَ اور، عاطفہ، لا نہیں، نافیہ (حَضَّ، یَحُضُّ، حَضًّا) ترغیب دینا، زور دینا، اکسانا، شوق دلانا۔ (القاموس الوحید) عَلٰی طَعَامِ کھانا کھلانے پر، الْمِسْکِیْن مسکین (کو) وہ شخص جس کے پاس بال بچوں کی کفایت بھر سامانِ زیست نہ ہو، اس کی جمع مساکین آتی ہے۔ (القاموس الوحید)

سید قطب شہیدؒ لکھتے ہیں:

''قرآن کا یہ جواب ایمان کی رسمی اور قانونی تعریف کے پیش نظر حیرت انگیز ہے مگر یہی ایمان کا مغز اور اس کی حقیقت ہے، جو شخص دین کو جھٹلاتا ہے، وہی تو یتیم کو دھکے دیتا ہے یعنی اس کو ستاتا اور اس کی بے عزتی کرتا ہے، وہی غریبوں کو کھلانے پلانے اور ان کی دیکھ بھال اور خدمت کرنے کی لوگوں کو ترغیب نہیں دیتا، اگر اس نے سچ مچ دین کی تصدیق کی ہوتی اور ایمان کی حقیقت اس کے دل میں جاگزیں ہو چکی ہوتی تو وہ یتیم کو دھکے نہ دیتا اور نہ غریبوں کو کھلانے پلانے کی ترغیب وتاکید سے باز رہتا۔

دین کی تصدیق کی حقیقت یہ نہیں ہے کہ زبان سے کچھ کلمات ادا کر دیے جائیں بلکہ ایمان دل کی تبدیلی کا نام ہے۔ دل کی اس تبدیلی کے نتیجے میں انسان اعمال خیر کی طرف مائل ہوتا ہے اور نوع انسانی کے افراد کے ساتھ...... جو اس کے بھائی اور اس کی دیکھ بھال اور مدد اور حمایت کے مستحق ہیں...... مرحمت اور مواسات کی روش اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ انسانوں سے صرف چند کلمات ادا کرنے کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ ان کلمات کے ساتھ وہ ''اعمال'' کا بھی مطالبہ کرتا ہے جن سے ان کلمات کی تصدیق ہوتی ہو، اور نہ یہ کلمات ہوا میں اڑنے والے ذرات کی مانند ہیں، اللہ کے یہاں نہ ان کا کوئی وزن ہے اور نہ اعتبار۔'' (فی ظلال القرآن)

﴿فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ، الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ، الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ، وَ یَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ﴾

تو خرابی ہے ایسے نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں سے غفلت برتتے ہیں، جو ریاکاری کرتے ہیں اور معمولی ضروریات کی چیزیں (لوگوں کو) دینے سے گریز کرتے ہیں۔

فَوَيْلٌ (فَ. وَيْلٌ) پس (تو)۔خرابی ہے (تباہی ہے)، اَلْوَيْلُ نزولِ آفت، ہلاکت، کلمۂ عذاب، بربادی اور تباہی (القاموس الوحید)، لِّلْمُصَلِّيْنَ (لِ. لْمُصَلِّيْنَ) لیے، ان نمازیوں (کے) اس کا مفرد مُصَلِّي ہے، الَّذِيْنَ جو اسم موصول، اس کا مفرد الذی ہے، هُمْ وہ، ضمیر جمع مذکر غائب، مُصَلِّيْنَ [نمازیوں] کی طرف جاتی ہے، عَنْ صَلَاتِهِمْ (عَنْ، صَلَاتِ. هِمْ) اپنی، نمازوں، سے، وہ، سَاهُوْنَ، غافل ہیں، اسم فاعل جمع مذکر (سَهَا، يَسْهُوْ، سَهْوًا) بھولنا، غافل ہونا بے خبر ہونا، سَهَا فِي الصَّلٰوة نماز میں کوئی جز بھول جانا، سہو ہونا اور سَهَا عنِ الصّلٰوةِ نماز کو چھوڑنا، غافل ہونا، (القاموس الوحید)، الَّذِيْنَ (جو) اسم موصول، هُمْ وہ، ضمیر جمع مذکر غائب، يُرَآءُوْنَ، ریاکاری کرتے ہیں، (رَاءَ، يُرَآءُ، رِيَاءً) ریاکاری کرنا، دکھاوا کرنا، الرِيّاءَ دکھاوا، نفاق، وَ يَمْنَعُوْنَ اور منع کرتے ہیں، روکتے ہیں مضارع جمع مذکر غائب (مَنَعَ، يَمْنَعُ، مَنْعًا) روکنا منع کرنا، اردو میں بھی جانا پہچانا لفظ ہے، الْمَاعُوْنَ معمولی اشیاء جیسا کہ چمچہ، پیالہ، چھوٹے موٹے برتن۔ (القاموس الوحید)

سید قطب شہید لکھتے ہیں:

”یہ لوگ نماز پڑھتے ہیں، نماز قائم نہیں کرتے، یہ نماز کی حرکات...... قیام، قعود، رکوع، سجود...... ادا کرتے ہیں، نماز کی دعائیں بھی پڑھتے ہیں لیکن ان کے دل ان حرکات اور دعاؤں کے ساتھ نہیں ہوتے، اُن کی روحوں کو نماز کی حقیقت اور اس میں پڑھی جانے والی قرأتوں، دعاؤں اور تسبیحوں کی حقیقتوں کا استحضار نہیں ہوتا، وہ خالصتاً اللہ کے لیے نہیں، لوگوں کے دکھاوے کے لیے نماز پڑھتے ہیں، اسی واسطے نماز ادا کرنے کے باوجود نماز سے غافل ہیں، کیونکہ وہ نماز کو قائم نہیں کر رہے ہیں اور مطلوب نماز پڑھنا نہیں، نماز کو قائم کرنا ہے اور نماز کی اقامت ہو نہیں سکتی جب تک اس کی حقیقت کا استحضار نہ ہو اور نماز کی ادائیگی خالصتاً لوجہ اللہ نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اس نماز کا اثر ان نمازیوں کے...... جو نماز کی حقیقت سے غافل ہیں...... دلوں پر نہیں پڑتا، وہ اپنے انسانی بھائیوں کی مدد، ان سے حسن سلوک اور ان کے ساتھ مرحمت و مواسات سے گریز کرتے ہیں اور معمولی ضرورت کی چیزیں بھی اللہ کے بندوں کو نہیں دیتے، اگر وہ سچ مچ نماز قائم کرتے اور اللہ کے لیے نماز ادا کرتے تو اس کے بندوں کی مدد سے دریغ نہ کرتے...... یہ ہے سچی اور عنداللہ مقبول

عبادت کی اسلامی کسوٹی!(فی ظلال القرآن)

آیاتِ مبارکہ کی حکمت وبصیرت:

۱) بندۂ مومن کوئی کام ایسا نہیں کرتا جس کی وجہ سے اسے اپنے رب کے سامنے خفت اور شرمندگی اٹھانی پڑے۔ ''تزکیہ نفس'' اس کی زندگی کی شان ہوتی ہے، وہ زکوٰۃ وصدقات غربا ومساکین کو اللہ کی رضا اور نفس کی پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے دیتا ہے۔ **الَّذِی یُؤۡتِیۡ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی** (الیل:۱۸) ''وہ اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے تاکہ اپنا نفس پاک کرے۔'' حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی اسے کامیابی سے ہمکنار کر دیتی ہے، اس کے برعکس جب اللہ کا خوف دل میں نہ رہے اور حبّ دنیا ہی زندگی کا مقصد ٹھہرے تو دل میں سختی پیدا ہو جاتی ہے، پھر اسے غربا و یتامیٰ سے نہیں مال سے پیار ہوتا ہے، اس کا نقشہ قرآن حکیم نے اس طرح کھینچا: **الَّذِیۡ جَمَعَ مالًا وَّ عَدَّدَهٗ** (الھمزہ:۲) ''اس نے مال جمع کیا اور اسے بار بار گنتا رہا۔'' یہ حرص وہوس ختم نہیں ہوتی یہاں تک کہ قبر کی مٹی ہی اس کی یہ خواہش روکتی ہے۔

اَلۡهٰکُمُ التَّکَاثُرُ، حَتّٰی زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ (التکاثر:۱-۲) ''تم کو غفلت میں رکھا زیادہ سے زیادہ کی طلب نے یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔

۲) قرآن حکیم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اخلاق اور عظیم کردار یتامی ومساکین کی خدمت گزاری بتایا ہے: **وَ یُطۡعِمُوۡنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسۡکِیۡنًا وَّ یَتِیۡمًا وَّاَسِیۡرًا** (الدہر:۸) ''اور (وہ) اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔''

جبکہ دھن دولت کو مقصد زندگی بنانے والوں میں قارون اور ہامان ایسے لوگوں کی تصویر کشی کی گئی ہے اور دونوں کے انجام کو بھی بیان کر دیا گیا ہے۔اول الذکر کا انعام اس طرح بیان ہوا: **وَجَزٰىهُمۡ بِمَا صَبَرُوۡا جَنَّةً وَ حَرِیۡرًا** (الدھر:۱۲) ''ان کے صبر کے بدلے میں اللہ انہیں جنت اور ریشمی لباس عطا کرے گا۔''

ثانی الذکر کا انجام قرآن اس طرح بتاتا ہے: **فَخَسَفۡنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الۡاَرۡضَ، فَمَا کَانَ لَهٗ مِنۡ**

فِئَةٍ يَّنۡصُرُوۡنَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ (القصص:۸۱) ''آخر کار ہم نے اس (یعنی قارون) کو اور اس کے گھر کو (خزانوں سمیت) زمین میں دھنسا دیا، پھر کوئی اس کے حامیوں کا گروہ نہ تھا جو اللہ کے مقابلے میں اس کی مدد کو آتا۔

غور کیجیے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے جان و مال سمیت اپنا سب کچھ مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا جیسے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ وغیرہ، اور منافقین میں سے ایسا گروہ بھی تھا جو برملا کہتا: لَا تُنۡفِقُوۡا عَلٰی مَنۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ حَتّٰی يَنۡفَضُّوۡا (المنافقون:۷) ''رسول کے ساتھیوں پر خرچ کرنا بند کر دو تاکہ وہ منتشر ہو جائیں۔''

۳) عبادت کو ریا کاری سے پاک رکھنا، روزمرہ استعمال کی معمولی چیزوں کو مستعار دینے میں بخل سے کام نہ لینا، یتیموں، بیواؤں اور بے سہارا لوگوں کی ضروریاتِ زندگی کا خیال رکھنا، ایک دوسرے کے غمخوار اور غمگسار افراد پر مشتمل معاشرے کی ناگزیر صفات ہیں اور اسلام سے بڑھ کر ایسا پاکیزہ معاشرہ کونسا ہو سکتا ہے جس کے افراد باہمی اخوت و ہمدردی اور ایثار و قربانی کے جذبے سے سرشار ہوں۔ لیکن آج صورت حال بالکل مختلف ہوگئی ہے۔ ہر نمازی اور بے نمازی کو قرآن مجید کی اس سورت کی روشنی میں اپنے اعمال و کردار کا جائزہ لینا چاہیے۔

..................o..................